Al-Mahdi Research Journal (MRJ)
Vol 5 Issue 4 (April-June 2024)
HJRS HEC Journal Recognition System
Category Y
ISSN (Online): 2789-4150
ISSN (Print): 2789-4142

Understanding, Importance and Characteristics of Ulil Amr: A Research study

اولی الامر کی تفہیم، اہمیت اور ان کے اوصاف

M. Adil Khan
Lecturer Islamic Studies, Government College for Man Nazimabad, Karachi, adil208311@gmail.com

Anwar ul Haq
Ph.D. Scholar, Teaching Associate, Dept. of Islamic Learning, University of Karachi, anwarulhaqabbasi304@yahoo.com

Abstract

In the Holy Quran, various passages affirm that earthly life holds purpose and meaning, not mere aimlessness. Following the passing of Prophet Muhammad (peace be upon him), obedience to "Ulil Amr" represents the true path forward. These revered figures exemplify the highest virtues within the community, making them its most esteemed members. They transcend factional interests, prioritizing justice and fairness above all else, guided by Quranic wisdom and the Prophet's exemplary conduct. Their transparent integrity underscores their pivotal role. Without them, the community languishes; their revival or reform is essential for its resurgence.

Keywords: Ulil Amr, Virtuous, Asset, Significance, Reformation

اولی الامر کے لفظ پر زمانوں سے جو ایک اختلاف یا یوں کہے کہ ایک غلاف موجود ہے اس مضمون میں اس غلاف کو اٹھانے کی کوشش کی جائے گی۔ الفاظ کے چناؤ اور انتخاب کے معاملے میں ہمارے یہاں بعض اوقات کافی بے احتیاطی کا مظاہرہ ہوا ہے۔ یہ بے احتیاطی اگر قرآن حکیم کے تراجم کے ضمن میں روا رکھی جائے تو بلاشبہ ابہامات ہی پیدا ہوں گے اور پورے کا پورا نظام العمل ہی درہم برہم ہو کر رہ جائے گا۔ دین سے لوگوں کی دوری کا یہ بھی ایک راستہ ہے جو غیر محسوس طریقے پر لوگوں کو دین کی حقیقی قدروں سے دور بلکہ کافی دور لے جاتا ہے۔

ایک تو ہماری اردو زبان ابھی اس لائق نہیں ہے کہ عربی زبان کی فصاحت وبلاغت کی برابری کا دعوی کر سکے۔ لسانی ذوق کے معاملے میں عرب ہم لوگوں سے بہت دور اور آگے تھے۔ لہٰذا عربی کلمات کی معنوی بیکرانیوں کو اردو الفاظ کا جامہ بالعموم تنگ ہی پڑتا ہے۔ پھر عربوں کے ہاں ایک جملے کے اندر کلمات کی جو نشست وبرخاست ہوتی ہے اور جو قرینے واشارات ہوتے ہیں ان کی ترجمانی کے لیے ہمارے پاس اس کے سوا کوئی اور چارہ کار نہیں ہے کہ ان تمام چیزوں کو بھی الفاظ کا جامہ پہنا کر ہم منصہ شہود تک لے آئیں۔

قرآن حکیم کے استعمال کردہ کلمات میں مترادفات کے معاملے میں بسا اوقات یہ بات دیکھنے کو ملتی ہے کہ دو الگ الگ کلمات ہوتے ہیں اور دونوں کے معانی بھی الگ الگ ہی ہوتے ہیں مگر ایک کو دوسرے کے معنی میں لے لیا جاتا ہے اس طرح وہ دونوں کلمات ایک دوسرے کے ہم پلہ اور مترادف تسلیم کر لیے جاتے ہیں اور وہ لطافت جو دو الگ الگ کلمات کے رواج میں ملحوظ تھی معدوم ہو جاتی ہے اور قرآن حکیم کی فصاحت وبلاغت کے دعوے دھرے رہ جاتے ہیں اور اس کا اعجاز بے بسی کی تصویر بن جاتا ہے۔ پھر کبھی کسی کا دھیان ہی نہیں جاتا کہ یہاں کسی طرح کی کوئی غلطی کا امکان بھی ہو سکتا ہے۔ ایک ایسی غلطی جو کہ ذہنی عمل پر اثر پذیر ہو کر فکر و عمل کے نظام کو متاثر کرتی اور ان کی جہتیں ہی بدل دیا کرتی ہے۔ اس کی ایک بہت واضح مثال اولی الامر کی قرآنی اصطلاح ہے۔ یہ اصطلاح قرآن حکیم میں دو جگہ سورہ نساء کی آیات:

- يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ أَطِيعُواْ ٱللَّهَ وَأَطِيعُواْ ٱلرَّسُولَ وَأُوْلِي ٱلۡأَمۡرِ مِنكُمۡۖ فَإِن تَنَٰزَعۡتُمۡ فِي شَيۡءٖ فَرُدُّوهُ إِلَى ٱللَّهِ وَٱلرَّسُولِ إِن كُنتُمۡ تُؤۡمِنُونَ بِٱللَّهِ وَٱلۡيَوۡمِ ٱلۡأٓخِرِۚ ذَٰلِكَ خَيۡرٞ وَأَحۡسَنُ تَأۡوِيلًا(1)
- وَإِذَا جَآءَهُمۡ أَمۡرٞ مِّنَ ٱلۡأَمۡنِ أَوِ ٱلۡخَوۡفِ أَذَاعُواْ بِهِۦۖ وَلَوۡ رَدُّوهُ إِلَى ٱلرَّسُولِ وَإِلَىٰٓ أُوْلِي ٱلۡأَمۡرِ مِنۡهُمۡ لَعَلِمَهُ ٱلَّذِينَ يَسۡتَنۢبِطُونَهُۥ مِنۡهُمۡۗ وَلَوۡلَا فَضۡلُ ٱللَّهِ عَلَيۡكُمۡ وَرَحۡمَتُهُۥ لَٱتَّبَعۡتُمُ ٱلشَّيۡطَٰنَ إِلَّا قَلِيلٗا(2)

میں وارد ہوئی ہے۔

اطاعت ثالثہ

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن حکیم میں مسلمانوں پر تین اطاعتیں لازم کی ہیں:

1. ان میں درجہ کے اعتبار سے سب سے پہلی اطاعت اللہ رب العزت کی اطاعت ہے اور یہی حقیقی اور مقصود بالذات اطاعت ہے۔

CC BY

2. دوسری اطاعت اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ رسول حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی ہے۔

چوں کہ جناب نبی کریم ﷺ اللہ کے چنے ہوئے بندے ہیں اور بارگاہ حق سے ہی اس امر کے مجاز و مختار بھی بنائے گئے ہیں کہ آپ کریم ﷺ کی اطاعت کی جائے اور یہ صراحت بھی خود قرآن حکیم میں ہی ملتی ہے کہ آپ ﷺ کی اطاعت کے معاملے میں کسی چون وچرا کی بھی کوئی گنجائش نہیں ورنہ ایمان کی نعمت ہی سلب ہو جائے گی۔

ہماری دانست میں اولی الامر ہی وہ واحد دروازہ تھا جو رسول کریم ﷺ کے وصال کے بعد اس امت کے لیے اطاعت و فرمانبرادری کی غرض سے کھلا رکھا گیا تھا اور باقی سب دروازے بند کر دیے گئے تھے۔ اس مقام پر غور طلب بات یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ تو شارع ہے جس نے ہمیں اپنے رسول مکرم ﷺ کی وساطت سے شریعت عطا فرمائی ہے اور رسول مکرم ﷺ بھی شارع ہیں۔ آپ ﷺ کا فرمان بھی شریعت کی تشکیل و تکمیل کرتا ہے۔ جب کہ اولوالامر کسی بھی لحاظ سے شارع کا درجہ نہیں رکھتے، اس بات پر دلیل یہ ہے کہ کسی بھی تنازع کی صورت میں معاملہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ ہی کے سامنے پیش ہوگا یا قرآن کریم اور سنت مبارکہ میں اس کا حل تلاش کیا جائے گا۔ نیز یہ فرمان اولوالامر کی اطاعت کے لزوم کے ذیل میں ہی وارد ہوا ہے مگر اس صورت حال میں ان اولوالامر کی جانب مراجعت کا کوئی ذکر موجود نہیں ہے۔ ارشاد پاک کے اس حصے پر غور کیجیے:

فَإِن تَنَٰزَعۡتُمۡ فِي شَيۡءٖ فَرُدُّوهُ إِلَى ٱللَّهِ وَٱلرَّسُولِ[3]

ترجمہ: تو اگر تم لوگ کسی شے میں باہم جھگڑ پڑو تو اس کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف پلٹا دیا کرو۔

اسی موقف پر تائید مکانی یہ بھی ہے کہ قرآن کریم کے مختلف مقامات پر اطیعوا دو دو بار آیا۔ جبکہ کلمہ اطیعوا نے آپ ﷺ کے ساتھ ساتھ اولوالامر کو بھی اس کلمے کے تحت مطاع بنا دیا ہے۔ یہاں بہت ہی اہم نکتہ یہ بھی ہے کہ یہ اولوالامر، غیر شارع ہیں جب کہ آپ ﷺ تو شارع ہیں۔ بالفاظ دیگر آپ ﷺ تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے برگزیدہ رسول و نبی ہیں اور تمام امت آپ ﷺ کی ہدایات و تعلیمات کی پابند اور مطیع ہے حتی کہ خود یہ اولوالامر بھی آپ ﷺ کے امتی ہی ہیں اور آپ ﷺ کے مطیع و فرمانبردار ہیں۔۔ پھر شارعؑ کے ساتھ غیر شارع اولوالامر کی اطاعت کو واو حرف عطف کی وساطت سے باہم جوڑ کر کیوں اور کس معنی میں لازم بنایا گیا ہے؟ حتی کہ ریاست مدینہ کے شہریوں اور اس قرآن کریم پر ایمان رکھنے والے تمام ہستیوں کے اوپر اس اطاعت کو باہم جوڑ کر مگر حسب ترتیب و مراتب قیامت تک کے لیے لازم وواجب بنا دیا گیا ہے۔ لہٰذا بحیثیت فرمانروائے سلطنت مدینہ ایک حد تک ضرور دونوں میں مساوات کا پہلو نکلتا ہے اور اسی معاملہ میں قرآن کریم نے دونوں کو اس کلمہ اطیعوا کے تحت مطاع بنایا ہے۔ اسی زیر بحث آیت کریمہ میں ہی یہ بات بھی طے کر کے مضمر کر دی گئی ہے کہ اولوالامر کو کسی بھی معنی میں شارع کا درجہ حاصل نہیں ہوگا۔ وہ کیسے؟ وہ اس طرح کہ زیر بحث آیت کریمہ ہی یہ بھی بتاتی ہے کہ کسی بھی تنازع کی صورت میں فقط اللہ سبحانہ و تعالیٰ یعنی قرآن کریم اور آپ ﷺ یعنی سنت مبارکہ کی طرف رجوع کرنے کی تعلیم ہے۔ اس صورت میں اولوالامر کی طرف رجوع کی کوئی تعلیم دی ہی نہیں گئی ہے۔ جیسا کہ مذکورہ آیت:

فَإِن تَنَٰزَعۡتُمۡ فِي شَيۡءٖ فَرُدُّوهُ إِلَى ٱللَّهِ وَٱلرَّسُولِ[4]

سے یہ بات مزید واضح ہو جاتی ہے۔ اب اگر اولوالامر بھی شارع ہوتے تو ضرور اُن کی جانب مراجعت کا ذکر بھی کر دیا جاتا اور اُن کا کہا سنا یا اُن کا نتیجہ فکر بھی واجب العمل ہو جاتا۔

اس بہت ہی بڑی عدم مساوات کے باوجود رسول معظم و مکرم ﷺ کو جس کلمہ اطیعوا کے تحت مطاع بنایا گیا ہے اس کلمہ کے تحت لا کر اولوالامر کو بھی مطاع بنا دیا گیا تو پھر یہ بات کوئی راز نہیں ہے کہ یہاں رسول کریم ﷺ کی بحیثیت والی ریاست مدینہ اطاعت کی تعلیم ہے اور آپ ﷺ کے وصال فرمانے کے بعد اول اولی الامر کی ولایت اور اس کی اطاعت کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے لازم وواجب بنا دیا ہے۔ اس اسلوب بیان کا فائدہ یہ ہوا ہے کہ در اصل رسول مکرم ﷺ کے ساتھ اولوالامر کی اطاعت کا بھی اس پوری امت کو پابند بنا کر رسول کریم ﷺ کے شانہ اقدس کے ساتھ امتیوں سے ہی منتخب اولوالامر میں درجہ اول پر فائز شخصیت کے شانہ کو جوڑ دیا گیا ہے۔ اس طرح اس قرآنی فرمان کے تحت آپ ﷺ کے وصال کے بعد ریاست مدینہ ایک لمحے کے لیے بھی پنے فرمانروا کے بغیر یا اس سے محروم ہو کر نہیں رہے گی۔ بلکہ اس نوخیز ریاست کی فرمانروائی اس قرآنی حکم کے تحت خود بخود آپ ﷺ کے شانہ اقدس سے سرکتے ہوئے اتر کر اول اولی الامر کے شانوں پر منتقل ہو جائے گی۔ یوں اپنے وقت پر ہی ریاست دین کی فرمانروائی کی باگ ڈور اگلے ہاتھوں میں منتقل ہو جائے گی بلکہ منتقل ہو چکی ہوگی اور اس منتقلی کے اثناء میں کسی معمولی سے لمحے کے لیے بھی تعطل وانقطاع کا عنصر پیدا تک نہیں ہو سکے گا۔

یہ اسلامی اجتماعیت و معاشرت کی ایک لازمی ضرورت تھی جسے پورا کر دیا گیا تھا۔ امت کے سیاسی مستقبل کو نظر انداز نہیں کیا گیا یا سب کچھ لوگوں کی مرضی و صوابدید پر ہی نہیں چھوڑ دیا گیا بلکہ ایک واضح راہ عمل متعین کر کے دکھا دی گئی تھی کہ جب رسول کریم ﷺ تمہارے درمیان نہیں ہوں کے تو پھر تم لوگوں پر اولی الامر کی اطاعت لازم ہوگی۔ اسلام کے فلسفہ، حکم واطاعت میں یہی ایک گروہ تھا جس کے افراد، بصورت جمع بطور مطاع قرآن حکیم کے تجویز کردہ تھے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہی وہ گروہ تھا جس کی اطاعت کو شریعت اسلامی نے لازم کر کے یہ باور کرا دیا تھا کہ یہ امت جب تک ان کی اطاعت کا دم بھرتی رہے گی وہ شریعت کے تقاضے پورے کرتی رہے گی۔ اس کے مطابق ہونے والا ہر اقدام قرآن حکیم کی رو سے درست مانا جائے گا اور اس سے انحراف جہالت و گمراہی کی دلدل کی طرف لے جانے والا راستہ ہی ہوگا۔ مگر صدیاں بیت جانے کے بعد بھی کہ آیا اولی الامر سے آخر کون لوگ مراد ہیں؟ جن کی اطاعت اللہ تبارک و تعالیٰ کو مطلوب ہے اور جن کی اطاعت اللہ ہی کی اطاعت شمار ہوگی، جو جو صراحتیں ملتی ہیں وہ تذبذب و تردد سے بھرپور ہیں۔ آج بھی اللہ تبارک و تعالیٰ کا تجویز کردہ راستہ اولی الامر کی اطاعت ہی ہے اور یہ حکم اب تا بہ روز قیامت قائم و باقی ہی رہے گا۔ اس قرآنی تجویز کو نظر انداز کرتے ہوئے یہ امت اگر کوئی اور اقدام کرے گی یا کسی اور کی اطاعت کا دم بھرنے لگ جائے گی تو ایسا وہ اپنی ذمہ داری پر کرے گی اور نتائج و عواقب کی ذمے داری بھی اس کے اپنے سر پر عائد ہوگی۔ کوئی بھی ایسی مجاز اتھارٹی نہیں ہے جو کہ اس قرآنی تجویز یعنی اولی الامر کا کوئی متبادل تجویز کر سکے۔

اولی الامر کی لغوی تحقیق

CC BY

"اولی الامر" مرکب ہے اور یہ عبارت ہے دو کلمات سے: "اولی" کی حقیقت پہلے معلوم کر لی جائے تو مناسب ہوگا۔ اس کی اصل یہ ہے کہ عربی کلمہ "ذو" جو واحد استعمال ہوتا ہے اس کے مقابل جمع کے لیے "اولی" آتا ہے۔ "ذو" کا معنی ہے: "صاحب"۔ یہ کلمہ اضافت کے ساتھ استعمال ہوتا ہے اور دوار دولا حقوں "والا" اور "دار" کا بدل ہے۔ جیسے ہم کہتے ہیں: "سمجھ والا اور سمجھدار"، "اولی" چوں کہ جمع کے لیے آتا ہے اس لیے اس کا معنی ہوگا: "والے یا دار"۔ جیسے ہم کہتے ہیں: "سمجھ والے یا سمجھدار لوگ"۔ لہٰذا اس میں تو ایسی کوئی خاص بات نہیں ہے کہ جس کو کھوجنے اور کریدنے کی مزید کوشش کی جائے۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ابہام در اصل "الامر" میں پیدا ہوا ہے۔ اور "الامر" کی حقیقت کا اگر کھوج لگا لیا جائے تو یہ گرہ با آسانی کھل سکتی ہے۔

اب کلمہ "امر" کے اصلی حروف دیکھے جائیں تو تین ہیں "ا"، "م"، "ر" اس کلمہ کا استعمال عہد جاہلی سے تعلق رکھنے والے ادب عالی میں بھی عام رہا ہے اور قرآن حکیم میں بھی یہ کلمہ بکثرت استعمال ہوا ہے حتی کہ اس کے مشتقات جو قرآن حکیم میں آئے ہیں ان کی تعداد سیکڑوں میں ہے۔ ایسا ہے تو اس کلمہ کا روزمرہ، عام اور محاوراتی استعمال از سرے نو دریافت کر لینا ممکن تو کیا دشوار بھی نہیں ہونا چاہیے۔ البتہ کسی کی اس سمت میں توجہ ہی منعکس نہ ہو یہ اور بات ہے۔

ذیل میں اس لفظ کے جو مختلف معانی بیان کیے گئے ہیں ان کی وضاحت کر کے اس کے حقیقی راز اور گتھی کو سلجھایا گیا ہے۔ امام راغب اصفہانی نے اولی الامر کی وضاحت حسب ذیل الفاظ میں کی ہے۔ لکھتے ہیں:

وَأُولِي الْأَمْرِ،قيل:عنى الأمراء في زمن النبيّ عليه الصلاة والسلام.وقيل: الأئمة من أهل البيت، وقيل: الآمرون بالمعروف، وقال ابن عباس رضي الله عنهما: هم الفقهاء وأهل الدين المطيعون لله.وكل هذه الأقوال صحيحة۔ (5)

<u>ترجمہ:</u> (اولی الامر) سے نبیؐ کے زمانہ کے امراء مراد لیے ہیں، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اہل بیت میں سے ہونے والے ائمہ مراد لیے ہیں، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ امر بالمعروف کرنے والے لوگ مراد ہیں، اور ابن عباسؓ نے موقف اختیار کیا ہے کہ اولی الامر سے مراد فقہاء اور وہ اہل دین ہیں جو اللہ کی اطاعت کرنے کرانے والے ہوں۔ اور یہ چاروں اقوال اپنی اپنی جگہ پر صحیح ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ، امام مجاہد، عطاء، حسن بصری اور ابو العالیہ اس سے اہل الفقہ واہل دین، علماء وفقہاء مراد لیتے ہیں۔ (6)

علامہ زمخشری لکھتے ہیں:

وهم كبراء الصحابة البصراء بالأمور أو الذين كانوا يؤمرون منهم (7)

<u>ترجمہ:</u> اولوا الامر سے مراد جلیل القدر صحابہ کرامؓ جو معاملات میں گہری بصیرت رکھنے والے تھے یا وہ لوگ مراد ہیں جو حکمران ہوں۔

امام بخاری نے آیت مبارکہ (اطيعوا الله واطيعوا الرسول) کے شان نزول میں ایک سریہ میں پیش آنے والے واقعہ کو بیان کیا ہے جسے نبی کریم ﷺ نے حضرت عبد اللہ بن حذافہ سہمیؓ کی امارت میں روانہ کیا۔ (8) اس شان نزول کے پیش نظر کچھ مفسرین نے اولی الامر سے جہاد میں قیادت کرنے والے امراء یا سپہ سالار مراد لیے ہیں۔

حافظ ابن کثیر مفسرین کی دونوں آراء یعنی اولوا الامر سے مراد علماء فقہاء اور جہاد کے سپہ سالار بیان کرنے کے بعد قرار دیتے ہیں کہ اولی الامر سے مراد دونوں معنی لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

أنها عامة في كل أُولِي الْأَمْرِ مِنَ الْأُمَرَاءِ وَالْعُلَمَاءِ (9)

<u>ترجمہ:</u> عام طور پر، یہ تمام حکومتی افسران یا علماء کو شامل ہوتا ہے۔

امام بخاری نے آیت مبارکہ کو باب بنا کر اس کے تحت دو احادیث بیان کی ہیں کہ:

- رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: من اطاعني فقد اطاع الله ومن عصاني فقد عصى الله ومن اطاع اميرى فقد اطاعني ومن عصى اميرى فقد عصانى (10)

<u>ترجمہ:</u> جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جس نے میرے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔

- اور دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: الا كلم راع وكلم مسئول عن رعيته فالا مام الذى على الناس راع وهو مسئول عن رعيته ، والرجل راع اهل بيته وهو مسئول عن رعيته ، المراة راعية على اهل بيت زوجها وولده وهى مسئولة عنهم وعبد الرجل راع على مال سيده وهو مسئول عنه الا فكلكم راع وكلكم مسئول عن رعيته (11)

<u>ترجمہ:</u> تم میں سے ہر آدمی نگران ہے اور ہر کوئی اپنی رعایہ کے بارے میں جواب دہ ہے۔ چناں چہ لوگوں کا امیر ان کا نگران ہے اور وہ اپنی رعایا کے بارے میں جواب دہ ہے، مرد اپنے گھر والوں کا نگران ہے اور ان کے بارے میں جواب دہ ہے، عورت اپنے شوہر کے گھر کی نگران ہے اور اس کے بارے میں جواب دہ ہے اور غلام اپنے مالک کے مال کا نگران ہے اور اس کے بارے میں جواب دہ ہے۔ اس طرح تم میں سے ہر شخص نگراں ہے اور اس سے اس کی رعایہ کے متعلق پوچھا جائے گا۔

یعنی امام بخاری نے نزدیک اولی الامر سے مراد صرف حکمران نہیں بلکہ درجہ بدرجہ تمام مطاع ہیں اور ملا جیون نے اس موقف کو خوبصورت پیرائے میں بیان کیا ہے لکھتے ہیں:

والحق ان المراد به كل اولى الحكم اماماً كان او اميراً ، سلطاناً كان او حاكماً، عالماً كان او مجتهدا، قاضياً كان او مفتياً على حسب مراتب التابع والمتبوع، لان النص مطلق فلا يقيد من غير دليل الخصوص۔ (12)

CC BY

ترجمہ: حق یہ ہے کہ الوا الامر سے تمام ارباب حکم کو مراد لیا جاسکتا ہے۔ امام ہو یا تحت امراء، سلطان ہو یا تحت حکام، عالم ہو یا مجتہد، قاضی ہو یا مفتی، تابع اور متبوع میں فرق مراتب کی رعایت سے مراد میں سب شامل ہیں کیوں کہ نص کے الفاظ مطلق ہیں اور بغیر دلیل کے ان میں تخصیص کی قید کا اضافہ نہیں کیا جاسکتا۔

یعنی اولی الامر میں درجہ بدرجہ تمام طبقات مراد لیے جاسکتے ہیں اور کسی خاص طبقہ کے لیے اس لفظ کو خاص کرنا درست نہیں ہے۔ صاحب تفسیر المنار، مفتی عبدہٗ کے نزدیک اولی الامر کی مراد اور اس کی وضاحت نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :

قَالَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى: إِنَّهُ فَكَّرَ فِي هَذِهِ الْمَسْأَلَةِ مِنْ زَمَنٍ بَعِيدٍ فَانْتَهَى بِهِ الْفِكْرُ إِلَى أَنَّ الْمُرَادَ بِأُولِي الْأَمْرِ جَمَاعَةُ أَهْلِ الْحَلِّ وَالْعَقْدِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ، وَهُمُ الْأُمَرَاءُ وَالْحُكَّامُ، وَالْعُلَمَاءُ وَرُؤَسَاءُ الْجُنْدِ وَسَائِرُ الرُّؤَسَاءِ وَالزُّعَمَاءِ الَّذِينَ يَرْجِعُ إِلَيْهِمُ النَّاسُ فِي الْحَاجَاتِ وَالْمَصَالِحِ الْعَامَّةِ[13]

ترجمہ: مفتی عبدہ فرماتے ہیں کہ انھوں نے اس مسئلہ پر طویل عرصہ تک غور وخوض کیا ہے اور وہ اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ اولو الامر سے مراد مسلمانوں کے اہل حل وعقد کی جماعت ہے جس میں امراء، حکام، علماء اور قبائل اور جماعتوں کے اشراف وکبار اور دیگر تمام اشراف وکبار اور حکام شامل ہیں جن کی طرف لوگ اپنی ضروریات اور امور عامہ کے ساتھ رجوع کرتے ہیں۔

یعنی اولو الامر سے مراد امراء اور علماء دونوں ہی ہیں لیکن علماء سے مراد یہاں محض علمائے دین یا فقہاء مراد نہیں ہیں بلکہ مختلف علوم وفنون اور شعبہ ہائے زندگی سے متعلق مختلف علوم کے ماہرین مراد ہیں۔

اسی طرح امام کیسان نے الوا الامر سے مراد: أُولُو الْعَقْلِ وَالرَّأْيِ الَّذِينَ يُدَبِّرُونَ أَمْرَ النَّاسِ کے لیے ہیں اور ان معانی کو ترجیح دی ہے۔ [14] یعنی وہ ارباب عقل ودانش جو لوگوں کے معاملات کی تدبیر کرتے ہیں۔

اسی طرح علامہ رشید رضا اولو الامر سے امور عامہ اور مصالح عامہ کے ماہرین مراد لیتے ہیں ہوئے لکھتے ہیں:

وَإِنَّمَا الْمُرَادُ بِأُولِي الْأَمْرِ الَّذِينَ تُرَدُّ إِلَيْهِمْ مَسَائِلُ الْأَمْنِ وَالْخَوْفِ وَمَا فِي مَعْنَاهَا مِنَ الْأُمُورِ الْعَامَّةِ: أَهْلُ الرَّأْيِ وَالْمَكَانَةِ فِي الْأُمَّةِ[15]

ترجمہ: نبی رحمت ﷺ کی مجالس شوریٰ میں یہی اہل الرائے شریک ہوتے۔ جن کی طرف لوگ اپنے مصالح اور معاملات کے سلسلہ میں رجوع کرتے اور عوام کو ان کی رائے کی پختگی اور ان کے خلوص پر اعتماد ہوتا۔

الغرض "اولوا الامر" کو فقہاء یا امراء تک محدود رکھنا مناسب نہیں۔ استاد شلتوت اولی الامر کی تصریح میں لکھتے ہیں کہ:

هم اهل النظر الذين عرفوا فى الامة بكمال الاختصاص فى بحث الشئون وادراك المصالح والغيرة عليها...... هم اهل معرفته و معرفة ما يجب ان يكون عليه ، ففى الامة جانب القوة التي تحمى حماها ، والتي تحفظ امنها الداخلى ، وفى الامة جانب القضاء وفض المنازعات و حسم الخصومات، و فيها جانب المال والاقتصاد، وفيها جانب السياسة الخارجية وفيها غير ذلك من الجوانب ولكل جانب رجال عرفوا افيه بنضج الآراء وعظيم الآثار وطول الخبرة والمران و هولاء الرجال هم اولوا الامر من امة۔[16]

ترجمہ: اولی الامر وہ لوگ کہلاتے ہیں جو اپنے علم فضل وکمال، دینی بصیرت اور دنیاوی معاملات میں سمجھ بوجھ رکھنے کے باعث مسلمانوں کے مفادات پر مجتہدانہ نظر رکھتے ہوں۔۔۔ ان میں سے بعض افراد امت کے داخلی امن وسلامتی، بعض دفاعی امور کی نگرانی بعض عہدہ قضاء میں بعض سفارتی امور کی دیکھ بھال میں اور بعض سیاسی اور اقتصادی امور کی تنظیم اور دیکھ بھال علم اور مہارت خاصہ کے حامل ہوتے ہیں ایسے لوگوں سے ان کی اہلیت واستعداد اور تجربہ ومہارت کی بنا پر کاروبار مملکت میں ضروری مشاورت کی جاتی ہے اور ان کو ان کی صلاحیت کے مطابق عہدے اور منصب عطا کیے جاتے ہیں اور ایسے ہی لوگ قرآن حکیم کی رو سے اولوا الامر کہلاتے ہیں۔

علامہ مودودی لکھتے ہیں کہ "اولی الامر" کے مفہوم میں وہ سب لوگ شامل ہیں جو مسلمانوں کے اجتماعی معاملات میں سربراہ کار ہوں، خواہ وہ دینی وفکری رہنمائی کرنے والے علماء ہوں یا سیاسی رہنمائی کرنے والے لیڈر یا ملکی انتظام کرنے والے حکام یا عدالتی فیصلے کرنے والے جج یا تمدنی ومعاشرتی امور میں قبیلوں اور بستیوں اور محلوں کی سربراہی کرنے والے شیوخ اور سردار، غرض جو جس حیثیت سے بھی مسلمانوں کا صاحب امر ہے وہ اطاعت کا مستحق ہے۔ [17]

علامہ سید رشید رضا دوسری جگہ اولی الامر سے مراد اصحاب شوریٰ کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَرِجَالِ الشُّورَى لِأَنَّهُمْ هُمُ الَّذِينَ يَسْتَخْرِجُونَ خَفَايَا هَذِهِ الْأُمُورِ وَيَعْرِفُونَ مَصْلَحَةَ الْأُمَّةِ فِيهَا[18]

ترجمہ: اور حضرات شوریٰ، کیوں کہ وہی ان معاملات کے رازوں سے پردہ اٹھاتے ہیں اور ان میں قوم کے مفاد کو جانتے ہیں۔

اسی طرح علامہ جوہری طنطاوی آیات مبارکہ سے استشہاد کرتے ہوئے مسلمانوں کے ہر ملک کے لیے مستقل مجلس شوریٰ کا قیام لازم قرار دیتے ہیں جو کہ عوام کے نمائندوں پر مشتمل ہو۔ لکھتے ہیں کہ آیت مبارکہ (النساء:59) میں اولی الامر سے مراد کون لوگ ہیں؟

هم اهل الشورى المذكورون في السورة النازلة قبلها في مكة (وامرهم شورى بينهم) فليكن في كل بلد اسلامى مجلس للشورى۔[19]

گویا علامہ کے نزدیک بھی اولی الامر سے مراد کسی ملک کی مجلس شوریٰ ہی ہے، الغرض قرآن وسنت کی تصریحات اور سیرت صحابہ اور مسلم ماہرین سیاسیات کی تعبیرات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ارکان مجلس شوریٰ (اولو الامر) مسلمانوں کے کسی ایک ہی طبقے سے متعلق نہیں ہیں بلکہ اسلامی ریاست میں مسلمانوں کے امور اور مصالح کی تدبیر کے ذمہ دار تمام طبقات کے نمائندوں سے متعلق ہیں۔

CC BY

عہد جاہلیت کا ایک شاعر "درید بن صمہ" لفظ "امر" کا استعمال یوں کرتا ہے:

أمرتهم أَمْرِي(وَالْمعْنَى أبديت لَهُم رَأْيِي) بمنعرج اللوى فَلم يستبينوا الرشد إِلَّا ضحى الْغد [20]

ترجمہ: میں نے ان کو "منعرج اللوی" کی پارلیمان یا مشورہ گاہ میں اپنی صلاح دی تھی تو انھوں نے اگلے روز چاشت کے وقت تک سمجھداری کو قریب پھٹکنے تک نہ دیا۔

ایک اور عرب شاعر "الکلجیۃ العرنی" اسی مشورہ گاہ میں لوگوں کو مشورہ دیتا ہے اور کہتا ہے:

أَمرتُكُمُ أَمْرِي بِمُنْعَرَجِ اللِّوَى ولا أَمرَ للمَعْصِيِّ إِلاّ مُضيَّعَا [21]

ترجمہ: میں نے تم لوگوں کو "منعرج اللوی" کی پارلیمان یا مشورہ گاہ میں اپنی صلاح دی تھی اور کسی نافرمان کو صلاح کاری، زیاں کاری کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

چناں چہ عہد جاہلی کا ادب عالی تو بتاتا ہے کہ "امر" کے مادہ سے اور اس کے مشتقات سے صلاح کاری، مشورہ اور رائے دہی ہی مراد لی جاتی رہی ہے۔ اس چیز میں حکم کا عنصر شامل ہی نہیں ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ حکم کے ساتھ تحکم اور بالا دستی کچھ یوں جڑی ہوتی ہے کہ کسی طور اس سے جدا نہیں ہو سکتی۔ عہد جاہلی کا ہی ایک اور شاعر "عوف بن الاحوص" حکم کے تعلق سے کہتا ہے:

أَقِرُّ بِحُكمِكُمْ ما دُمْتُ حَيًّا وأَلْزَمُهُ وإنْ بُلِغَ الفَنَاءُ [22]

ترجمہ: میں تمھارے حکم کا، جب تک زندہ ہوں اقراری ہوں اور اس کو لازم ہی جانتا ہوں بھلے سب کچھ فناء کے گھاٹ اتر جائے۔

اور اس کے مقابل صلاح، رائے دہی یا مشورہ کے اندر ایسا کوئی عنصر کسی طور داخل یا شامل نہیں ہو سکتا۔ دونوں کلمات کے معانی میں ایک نمایاں بعد ہے۔ لفظ حکم اپنا ایک جداگانہ نوعیت کا معنی و مفہوم رکھتا ہے۔ اس کے لیے تحکم و بالادستی لازم ہے۔ بلکہ پہلے تحکم و بالاستی کا اثبات و تحقق ہوتا ہے اور پھر ہی کوئی حکم جاری ہوتا ہے۔ صلاح کاری سے اس کی کوئی نسبت ہی نہیں ہے۔ جس کی مزید وضاحت اس آیت مبارکہ سے بھی دیکھنے کو ملتی ہے:

إِنَّمَا ٱلۡمُؤۡمِنُونَ ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ بِٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ وَإِذَا كَانُواْ مَعَهُۥ عَلَىٰٓ أَمۡرٖ جَامِعٖ لَّمۡ يَذۡهَبُواْ حَتَّىٰ يَسۡتَـٔۡذِنُوهُۚ إِنَّ ٱلَّذِينَ يَسۡتَـٔۡذِنُونَكَ أُوْلَٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ يُؤۡمِنُونَ بِٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦۚ فَإِذَا ٱسۡتَـٔۡذَنُوكَ لِبَعۡضِ شَأۡنِهِمۡ فَأۡذَن لِّمَن شِئۡتَ مِنۡهُمۡ وَٱسۡتَغۡفِرۡ لَهُمُ ٱللَّهَۚ إِنَّ ٱللَّهَ غَفُورٞ رَّحِيمٞ[النور: 62] [23]

اس آیت کریمہ کے اس حصے: "وَإِذَا كَانُواْ مَعَهُۥ عَلَىٰٓ أَمۡرٖ جَامِعٖ لَّمۡ يَذۡهَبُواْ حَتَّىٰ يَسۡتَـٔۡذِنُوهُ" کے کیے گئے تراجم مذکور ہیں:

- شاہ ولی اللہ: "وچوں باشند باوے ہر کارے کہ جمع کردن ایشاں می طلبند نروند تا آنکہ دستوری طلبند از پیغامبر"۔
- شاہ عبد القادر: "اور جب ہوتے ہیں اس کے ساتھ کسی جمع ہونے کے کام میں تو چلے نہیں جاتے جب تک اس سے پروانگی نہ لیں"۔ [24]
- محمد جوناگڑھی: "اور جب ایسے معاملہ میں جس میں لوگوں کے جمع ہونے کی ضرورت ہوتی ہے نبی کے ساتھ ہوتے ہیں تو جب تک آپ سے اجازت نہ لیں کہیں نہیں جاتے"۔ [25]
- ڈاکٹر محمد طاہر القادری: "اور جب وہ آپ کے ساتھ کسی ایسے (اجتماعی) کام پر حاضر ہوں جو (لوگوں کو) یکجا کرنے والا ہو تو وہاں سے چلے نہ جائیں (یعنی امت میں اجتماعیت اور وحدت پیدا کرنے کے عمل میں دلجمعی سے شریک ہوں) جب تک کہ وہ (کسی خاص عذر کے باعث) آپ سے اجازت نہ لے لیں"۔ [26]
- اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں: "اور جب رسول کے پاس کسی ایسے کام میں حاضر ہوئے ہوں جس کے لیے جمع کیے گئے ہوں تو نہ جائیں جب تک ان سے اجازت نہ لے لیں"۔ [27]
- شیخ الہند محمود الحسن: "اور جب ہوتے ہیں اس کے ساتھ کسی جمع ہونے کے کام میں تو چلے نہیں جاتے جب تک اس سے اجازت نہ لے لیں"۔ [28]
- سید ابو الاعلیٰ مودودی: "اور جب کسی اجتماعی کام کے موقع پر رسول کے ساتھ ہوں تو اس سے اجازت لیے بغیر نہ جائیں"۔ [29]
- امین احسن اصلاحی: "اور جب کسی اجتماعی معاملہ کے لیے رسول کے پاس ہوتے ہیں تو اس وقت تک وہاں سے نہیں ٹلتے جب تک اس سے اجازت نہ لے لیں"۔ [30]

جب کہ ہماری دانست میں قرآن حکیم کا مدعا کچھ یوں ہے:

"اور جب قومی امور و معاملات پر جامع صلاح و مشورہ اور رائے دہی کے عمل میں آپ ﷺ کے ساتھ یہ لوگ شریک ہوتے ہیں تو آپ ﷺ سے اجازت طلب کیے بغیر کبھی اٹھ کر چلے نہیں جاتے"۔

قابل غور بات یہ ہے کہ جامع صلاح مشورہ ورائے دہی کا جب ذکر ہو گا تو لفظ "جامع" ایک ہی معنی و مفہوم دے سکتا ہے اور وہ یہ کہ اجتماعی و قومی معاملات میں صلاح و مشورہ۔ یہ اجتماعی اور قومی معاملات پر مشورے کا عمل ہے اور "معہ" اس امر کا موثر اور خوبصورت قرینہ ہے بلکہ ثبوت پیش کرتا ہے کہ آپ ﷺ ریاست مدینہ کے فرمانروا کی حیثیت سے مجلس شوری کا یہ اجلاس طلب فرماتے ہیں۔ لہٰذا یہ معاملہ قومی سطح کا ہے۔ یہ سیدھی سی بات تھی جو تعبیراتی بھول بھلیوں میں کھو کر رہ گئی ہے۔ اس سے یہ نقصان ہوا ہے کہ اہل رائے اور لائق صلاح و مشورہ لوگوں کی شناخت بھی دھندلا کر رہ گئی۔

"امر یا امر ا" کا اپنا بنیادی معنی یہاں یہ ہے کہ: "کسی کو صلاح دینا، مشورہ دینا"۔ یعنی کسی کو کسی عمل کی صحیح بنیاد بتانا یا اس بنیاد کی نشاندہی کر دینا اور اسی سے ایک اور معنی بھی نکلا ہے جس کو لفظ "معاملہ" کا تعبیری جامہ ملا ہے۔ اس لفظ "معاملہ" کا اپنا معنی و مفہوم کچھ یوں ہے کہ "كُلُّ ما يُعامَل عَلَيهِ" ہر وہ شے جس پر کسی عمل کی بنیاد ہو۔ جب ہم کہتے ہیں "معاملہ طے ہو گیا" تو مراد یہ لیتے ہیں کہ عمل کی بنیاد طے ہو گئی ہے۔ صلاح و مشورہ کو عمل کی بنیاد کے طور پر اس قدر ناگزیر سمجھا اور بتایا گیا ہے کہ عمل کی بنیاد پر بھی اس لفظ کا اطلاق ہونے لگا اور یہ معنی بھی اس کلمے سے پورے طور پر مربوط ہو کر پوری طرح سے راسخ ہو گیا ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

وَقُضِيَ ٱلۡأَمۡرُۚ وَإِلَى ٱللَّهِ تُرۡجَعُ ٱلۡأُمُورُ[البقرة: 210] [31]

CC BY

ترجمہ: اور معاملہ طے ہو گیا اور تمامی معاملات اللہ ہی کی طرف لوٹا دیئے جاتے ہیں۔(یعنی اگلے اقدام کی بنیاد طے ہو گئی ہے۔)

اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد ہے:

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ [آل عمران:159][32]

ترجمہ: اور ریاستی عمل واقدام کی بنیاد میں ان لوگوں سے مشورہ کر لیا کریں تو پھر جب آپ طے کر ہی لیا کریں تو اس کے بعد اللہ پر بھروسہ رکھیں۔

یہاں یہ بات آپ سے آپ واضح ہو جاتی ہے کہ صالح اور درست عمل کی بنیاد صلاح ومشورہ پر ہی قائم ہوتی ہے۔ گویا صلاح ومشورہ کو نظر انداز کر کے اٹھائے گئے اقدامات کے اثرات کئی مرتبہ منفی انداز میں مرتب ہوتے ہیں۔

جس طرح علم رکھنے والے شخص کو "ذوالعلم" کہتے ہیں اور ایک سے زائد ہوں تو ان کو "اولوالعلم" کہا جاتا ہے۔ اسی طرح صلاح کار وصاحب الرائے شخص کو اس قرآنی اصطلاح میں "ذوالامر" کہا گیا ہے۔ اور اگر ان کی تعداد ایک سے زائد ہو جائے تو پھر "اولوالامر" کہا جائیگا۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ قومی سطح کی اگر کوئی مشکل صورتحال درپیش ہو اور کوئی گتھی سلجھ کے نہ دے رہی ہو تو رائے ومشورہ کے لیے ان سے رجوع کیا سکتا ہے۔ یہ لوگ عقل ودانش کے پیکر ہوتے ہیں۔ مگر صرف اپنی رائے اور مشورہ دیتے ہیں۔ اب کوئی مانے یا نہ مانے ان لوگوں کو اس کی بھی مطلق پروا نہیں ہوتی۔ لیکن ان کی نہ ماننے والوں کو اپنے اقدام کے نتائج سے بھی اندازہ ہو جاتا ہے۔ یہ لوگ ہر گز کسی پر حکم چلانے یا تحکم وبالادستی کے قیام کے خواہشمند نہیں ہوتے۔ اس لحاظ سے ہر وہ شخص جو اپنی ایک قومی واجتماعی سوچ اور ٹھوس رائے رکھتا ہو، اس کے پاس وژن ہو اور اپنے شعبہ اختصاص سے متعلقہ امور ومعاملات کی خوب سمجھ اور بصیرت اس کو حاصل ہو، جب مرکزی قیادت ان کو زمرہ "اولی الامر" میں شامل کر لیتی ہے تو وہ صاحب اختیار ہو جاتے ہیں۔ یہ درجہ محض چند محافل ومجالس میں شریک ہو جانے سے ہی نہیں مل جاتا بلکہ یہ ایک زندگی کا حاصل ہوا کرتا ہے۔ گویا ہر وہ شخص جو حقیقی معنوں میں صاحب فہم ودانش ہو۔ اپنے عہدے کے مسائل ومعاملات، ان کے اسباب ومحرکات اور ان کے حل سمیت ان سے پہنچنے والے نقصانات کی تلافی وتدارک پر بھی گہری نگاہ رکھتا ہو صرف اسی کا انتخاب ہو سکتا ہے۔

اولو الامر کی صفات

قرآن وسنت کی نصوص اور سیرت رسول اقدس ﷺ اور عہد نبوی کے اولی الامر کے طرز عمل سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اسلامی ریاست میں کوئی منصب بھی حسب ونسب کی بنیاد پر حاصل نہیں ہوتا بلکہ تمام مناصب اہلیت کی بنیاد پر ہی عطا ہوتے ہیں۔ علامہ مودودی تفہیم القرآن میں لکھتے ہیں کہ:

بنی اسرائیل کی بنیادی غلطیوں میں سے ایک یہ تھی کہ انھوں نے اپنے انحطاط کے زمانے میں امانتیں یعنی ذمے داری کے منصب اور مذہبی پیشوائی اور قومی سرداری کے مرتبے (Positions of Trust) ایسے لوگوں کو دینے شروع کر دیے جو نا اہل کم ظرف، بداخلاق، بددیانت اور بدکار تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ برے لوگوں کی قیادت میں ساری قوم خراب ہوتی چلی گئی۔ مسلمانوں کو ہدایت کی جاری ہے کہ تم ایسا نہ کرنا بلکہ امانتیں ان لوگوں کے سپرد کرنا جو ان کے اہل ہوں یعنی جنھیں بار امانت اٹھانے کی صلاحیت ہو۔[33]

نیز قرآن وحدیث میں تمام قومی وحکومتی مناصب کی بنیاد اہلیت کو قرار دیا گیا ہے اور نا اہل شخص کو اہل کی موجودگی میں منصب دینے کو خیانت قرار دیا گیا ہے۔ امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ:

فَإِنْ عَدَلَ عَنْ الْأَحَقِّ الْأَصْلَحِ إلَى غَيْرِهِ، لِأَجْلِ قَرَابَةٍ بَيْنَهُمَا، أَوْ وَلَاءِ عَتَاقَةٍ أَوْ صَدَاقَةٍ، أَوْ مرافقة فِي بَلَدٍ أَوْ مَذْهَبٍ؛ أَوْ طَرِيقَةٍ، أَوْ جنب: كَالْعَرَبِيَّةِ، وَالْفَارِسِيَّةِ، وَالتُّرْكِيَّةِ، وَالرُّومِيَّةِ، أَوْ لِرِشْوَةٍ يَأْخُذُهَا مِنْهُ مِنْ مَالٍ أَوْ مَنْفَعَةٍ، أَوْ غَيْرِ ذَلِكَ مِنْ الْأَسْبَابِ، أَوْ لِضِغْنٍ فِي قَلْبِهِ عَلَى الْأَحَقِّ، أَوْ عَدَاوَةٍ بَيْنَهُمَا: فَقَدْ خَانَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالْمُؤْمِنِينَ[34]

ترجمہ: اگر زیادہ اہمیت کے حامل شخص کو فراموش کر کے نااہل یا کم اہلیت کے حامل شخص کو رشتہ دار ہونے، ہم مذہب یا ہم وطن ہونے، ہم مشرب یا ہم جنس یا ایک قومیت ہونے یعنی عربی، فارسی، ترک یا رومی ہونے کی وجہ سے یا کچھ رشوت کا مال لینے یا کسی بھی سیاسی یا معاشرتی منفعت حاصل کرنے کی وجہ سے یا اہل اور حقدار سے کینہ رکھنے یا کھلی دشمنی کی وجہ سے نا اہل اور غیر مستحق اور غیر اصلح کو مقرر کر دیا تو یقیناً وہ اللہ کے رسول ﷺ اور عام مسلمانوں سے خیانت کا مرتکب ہوا۔

اور جناب نبی کریم ﷺ نے بھی اپنے ارشادات میں ان مناصب کو امانت قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ:

إِذَا ضُيِّعَتِ الأَمَانَةُ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ،قَالَ: كَيْفَ إِضَاعَتُهَا يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ:إِذَا أُسْنِدَ الأَمْرُ إِلَى غَيْرِ أَهْلِهِ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ[35]

ترجمہ: جب امانت ضائع کی جانے لگے تو قیامت کا انتظار کرو(راوی نے) پوچھا اے اللہ کے رسول، امانت ضائع کرنا کسے کہتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا کہ جب امور حکومت نااہل لوگوں کے سپرد کیے جائیں تو قیامت کا انتظار کرو۔

لہٰذا جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ اسلامی ریاست میں تمام مناصب پر تعیناتی صرف اور صرف اہلیت کی بنیاد پر ہی ممکن ہے تو اولی الامر کی رکنیت کے لیے بھی یہ اصول اسی طرح واجب ولازم ہے۔

قرآن وسنت کی روشنی میں کچھ شرائط کو لازم قرار دیا ہے جن میں امام ماوردی نے رکن شوریٰ کے لیے تین شرائط کا ذکر کیا ہے:

فَأَمَّا أَهْلُ الِاخْتِيَارِ فَالشُّرُوطُ الْمُعْتَبَرَةُ فِيهِمْ ثَلَاثَةٌ:

أَحَدُهَا: الْعَدَالَةُ الْجَامِعَةُ لِشُرُوطِهَا

وَالثَّانِي: الْعِلْمُ الَّذِي يُتَوَصَّلُ بِهِ إلَى مَعْرِفَةِ مَنْ يَسْتَحِقُّ الْإِمَامَةَ عَلَى الشُّرُوطِ الْمُعْتَبَرَةِ فِيهَا.

وَالثَّالِثُ: الرَّأْيُ وَالْحِكْمَةُ الْمُؤَدِّيَانِ إلَى اخْتِيَارِ مَنْ هُوَ لِلْإِمَامَةِ أَصْلَحُ، وَبِتَدْبِيرِ الْمَصَالِحِ أَقْوَمُ وَأَعْرَفُ[36]

یعنی امام ماوردی کے نزدیک اسے عدالت کی تمام شرائط کے ساتھ ساتھ یہ علم ہو کہ امامت کی مختلف شرائط کے پیش نظر وہ پہچان کر سکیں کہ کون امامت کے لیے زیادہ استحقاق رکھتا ہے اور اسی طرح ان میں دانائی اور فکر کی گہرائی موجود ہو تا کہ وہ بہترین اہلیت کے حامل شخص کو امامت کے لیے منتخب کر سکیں۔

علامہ مودودی قرآن حکیم کی نصوص سے استشہاد کرتے ہوئے ارکان ولی الامر کے لیے جن چار قانونی، دستوری شرائط کا تذکرہ فرماتے ہیں۔ وہ یہ ہیں:

(1)مسلمان ہونا (2)مرد ہونا (3)عاقل وبالغ ہونا (4)دار الاسلام کا باشندہ ہونا۔ (37)

اس کے علاوہ مولانا کچھ دیگر شرائط کا بھی ذکر کرتے ہیں جن کو انتخابی قوانین اور الیکشن کمیشن کے ذریعے یقینی بنانے کی کوشش کرنا درست قرار دیتے ہیں۔ وہ یہ ہیں:

(5)علم (6)صحت وتندرستی (7)امانت ودیانت (8)تقوی وپرہیز گاری

(9)بدعتی نہ ہو (10)منصب کا طلبگار نہ ہو۔ (38)

خلاصہ کلام

قرآن کریم میں مختلف مقامات پر وارد صراحتوں کو یکجا کر کے دیکھنے سے صورتحال بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ حیات ارضی کوئی نامرغوب اور غیر مقصود شے نہیں بلکہ اس کی ایک معنویت اور مقصدیت ہے۔ گویا اب رسول کریم ﷺ کے وصال فرماجانے کے بعد سے تا بہ روز قیامت صرف "اولوالامر" کی اطاعت ہی وہ واحد راستہ ہے جس کو صراط مستقیم سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ ان کی اطاعت کر کے ہم اپنی حیات کو اس معنویت و مقصدیت سے ہم آہنگ کر سکتے ہیں۔ یہ "اولوالامر" وہ عظیم لوگ ہیں جو پوری امت میں افضل ترین ہیں۔ ان کے افضل ترین ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اگر نماز جنازہ کے موقع پر کوئی "اولوالامر" آجائے گا تو میت کے ولی کی ولایت اس کے پاس چلی جائے گی۔ "اولوالامر" کے ہوتے ہوئے کوئی اور مصلائے امامت پہ کھڑا نہیں ہو سکے گا تا آنکہ وہ خود کسی کو اجازت دے دے اور "اولوالامر" سے بغاوت کرنے والے کی نماز جنازہ تک نہیں پڑھی جائے گی۔ لہٰذا جملہ اہل قبلہ کا قیمتی اثاثہ و سرمایہ ہیں اور کسی ایک طبقے یا گروہ کی طرف میلان نہیں رکھتے بلکہ حق وانصاف کو ہر شے سے مقدم سمجھتے ہیں۔ ان کی اپنی فہم و دانش پر قرآن حکیم اور اسوہ رسول کریم ﷺ کا راج ہوتا ہے اور خلق خدا پر راج کرنے کے لیے موزوں ترین ہوتے ہیں۔ اسی طرح ان کے شفاف کردار و عمل کی بدولت ان کی اہمیت بھی غیر مشتبہ ہوتی ہے۔ انہی کے غیر موثر یا کالعدم ہونے کے باعث یہ امت بے جان ہوئی ہے اور امت کے احیاء یا نشاۃ ثانیہ کے لیے پہلی شرط انہی اولوالامر کا از سر نو احیاء اور اللہ عزوجل کے عطا کردہ مقام و منصب پر ان کی بحالی ہے۔

---

[1])القرآن:3/59

[2])القرآن:3/83

[3])القرآن:3/59

[4])القرآن:4/59

[5])راغب اصفہانی، ابو القاسم، حسین بن محمد: المفردات فی غریب القرآن، دار القلم، الدار الشامیہ، دمشق بیروت(ط: اولیٰ-1412ھ):90

[6])ابن کثیر، ابو الفداء، اسماعیل بن عمر: تفسیر ابن کثیر، دار الکتب العلمیہ، بیروت (ط:اولیٰ-1419ھ):2/304

[7])زمخشری، جار اللہ، ابو القاسم، محمد بن عمرو: الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل(تفسیر زمخشری)، دار الکتاب العربی، بیروت(ط: ثالثہ-1407ھ):1/541

[8])بخاری، محمد بن اسماعیل، ابوعبداللہ(م256ھ): صحیح البخاری، ط: سلطانیہ، دار طوق النجاۃ، بیروت، حدیث:4584، 6/46

[9])ابن کثیر، ابو الفداء، اسماعیل بن عمر: تفسیر ابن کثیر:2/304

[10])بخاری، محمد بن اسماعیل، ابوعبداللہ : صحیح البخاری، حدیث:7137، 9/61

[11])بخاری، محمد بن اسماعیل، ابوعبداللہ : صحیح البخاری، حدیث:7138، 9/62

[12])ملاجیون، مولانا، شیخ احمد: تفسیرات الاحمدیہ، طبع مصارف مکتبہ شرکۃ:251

[13])رضا، محمد رشید، تفسیر المنار(م1354ھ): تفسیر المنار، الھیئۃ المصریۃ العامۃ للکتاب:5/147

[14])قرطبی، شمس الدین، ابوعبداللہ، محمد بن احمد: جامع احکام القرآن(تفسیر قرطبی)، دار الکتب المصریۃ، القاھرۃ(ط1384ھ):5/260

[15])رضا، محمد رشید: تفسیر المنار:4/167

[16])امام الاکبر، محمد شلتوت: الاسلام عقیدۃ و شریعۃ، دار الشروق، القاھرہ(ط1421ھ):443

[17])مودودی، سید، ابو الاعلیٰ: تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن لاہور:1/364

[18])رضا، محمد رشید: تفسیر المنار:5/245

[19])طنطاوی، شیخ، جوھری: الجواھر فی تفسیر القرآن الکریم، طبع مصطفی بابی حلبی اولادہ بمصر(ط:1434ھ):3/56

[20])ابو تمام، حبیب بن اوس، دیوان الحماسہ، شارح: یحییٰ بن علی شیبانی: بیروت، دار القلم:1/337

([21])الضبی، مفضل بن محمد، المفضلیات:القاہرہ، دار المعارف:31

([22])الضبی، مفضل بن محمد:المفضلیات:174

([23])القرآن:24/62

([24])عبد القادر، محدث، دہلوی:مستند موضح قرآن:465

([25])محمد جوناگھڑی، مولانا:قرآن شریف کے مطالب کا اردو ترجمہ:969

([26])محمد طاہر القادری، ڈاکٹر، شیخ الاسلام:عرفان القرآن:32/18

([27])احمد رضا خان، اعلیٰ حضرت:کنز الایمان، مکتبۃ المدینہ:666

([28])عثمانی، مولانا، شبیر احمد:تفسیر عثمانی:467

([29])مودودی، سید، ابو الاعلیٰ:تفہیم القرآن:426/3

([30])اصلاحی، امین احسن:تدبر قرآن، فاران فاؤنڈیشن، لاہور:430/5

([31])القرآن:2/210

([32])القرآن:3/159

([33])مودودی، سید، ابو الاعلیٰ:تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن لاہور:362/1

([34])ابن تیمیہ، تقی الدین، ابو العباس، احمد بن عبد الحلیم(م728ھ):السیاسۃ الشرعیہ، وزارۃ الشئون الاسلامیہ والاوقاف والدعوۃ والارشاد، مملکت عربیہ سعودیہ(ط:اولیٰ-1418ھ):8

([35])بخاری، محمد بن اسماعیل، ابو عبد اللہ(م256ھ): صحیح البخاری، ط:سلطانیہ، دار طوق النجاۃ، بیروت، حدیث:6496، 104/8

([36])ماوردی، ابو الحسن، علی بن محمد(م450ھ):احکام السلطانیہ، دار الحدیث، قاہرہ:17-18

([37])مودودی، سید، ابو الاعلیٰ:اسلامی دستور کی تدوین، ریڈ مودودی ڈاٹ کام:39-40

([38])مودودی، سید، ابو الاعلیٰ:اسلامی دستور کی تدوین:39-40